برصغیر کی منتخب کتب فتاویٰ پر عرف کے اثرات
(فقہ المناکحات کے تناظر میں)

THE EFFECT OF CUSTOM ON THE FATWA LITERATURE OF SUBCONTINENT: A CASE STUDY OF CONJUGAL ISSUES

مبشر احمد*، ڈاکٹر محمد عابد ندیم**

Abstract:
Islamic Jurisprudence resolves and guides the Muslims in every sphere of social, economic, political or conjugal matters. One of the most important attribution is it its universality and ability to adopt approach of assimilation and accept the social and political elements which are not contradictory to the basic sources of Islamic Jurisprudence. One of its sources which makes this flexibility happen, is Urf o Ādắt (custom and tradition). Urf o Ādắt is enlisted in secondary sources of Islamic Jurisprudence. Jurists in Muslim world as well as in subcontinent have given this source the due importance and used this source in their fatwa writings. In this article, an attempt has been made to underline the influence of Urf o Ādắt on conjugal matters only.

Key words: Urf, Jurisprudence, Fatwa, Conjugal, Flexibility

کسی بھی لفظ کا معنی طے کرنے میں اس لفظ کے حروف اصلیہ (مادہ) کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے لہٰذا عرف کا معنی اور مفہوم لغوی اعتبار سے اس کے حروف اصلیہ پر بنا رکھتا ہے جو کہ (ع۔ر۔ف) ہیں۔ لغوی اعتبار سے اس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔ابن منظور لسان العرب میں اس مادے (ع۔ر۔ف) کے تحت لکھتے ہیں: **هُوَ كلُّ مَا تَعْرِفه النَّفْسُ مِنَ الخيْر وتَبْسَأُ بِهِ وتَطمئِنّ إِلَيْه** (۱) اس سے مراد ہر وہ شے ہے جس کو نفس از روئے خیر کے جان لے اور اس کی طرف اطمینان پکڑے۔

امام راغب اصفہانی عرف کے مصادر کے بارے میں لکھتے ہیں : **المَعْرِفَةُ والعِرْفَانُ: إدراك الشيء بتفكّر وتدبّر لأثره** (۲) کسی چیز کا ادراک غور و فکر کے ساتھ اس کے مؤثر ہونے کی وجہ سے کرنا، معرفۃ و عرفان کہلاتا ہے۔

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور
** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

متداول لغات میں اگرچہ عرف اپنے دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے لیکن اس کا زیادہ استعمال مذکورہ بالا دونوں معانی (کسی چیز کا فہم و ادراک / ایسا فعل جو لوگوں میں رائج ہو جائے) میں بکثرت ہوتا ہے۔ (ع۔ر۔ف) قرآن پاک میں ستر جگہوں پر آٹھ مختلف صورتوں میں بطور اسم علم اور صفت اسی طرح بطور فعل ثلاثی مجرد و مزید فیہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں "[۳] ایک دوسری جگہ فرمایا: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ " اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا "[۴]

قرآن کریم میں جہاں جہاں (ع۔ر۔ف) کے مادہ سے بنے ہوئے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان مقامات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عرف کا لفظ تو قرآن پاک میں صرف دو جگہ پر استعمال ہوا ہے (الاعراف ۷:۱۹۹، المرسلات ۷۷:۱) مگر " المعروف " کا لفظ (جو کہ عرف کا ہی ہم معنی ہے) قرآن پاک میں ۳۹ جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔ مزید تنقیح کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان آیات میں سے بھی (جن میں المعروف کا لفظ استعمال ہوا ہے) اکثر آیات سورۃ البقرہ میں ہیں (جن کی تعداد ۱۳ ہے) اور یہ وہ آیات ہیں جن میں طلاق، عدت، نان نفقہ، رضاعت کے مسائل بیان ہوئے ہیں تو یہ کہنے میں حرج نہ ہوگا کہ چونکہ ان معاملات میں لوگوں کا تعامل ہر جگہ پر ایک نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں " المعروف " کا لفظ استعمال کیا تا کہ لوگ ان پر اپنے اپنے زمانہ اور عرف وعادت کے مطابق عمل کر لیں، واللہ اعلم۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبویہ میں بھی اس لفظ کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

" كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ العَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ " نبی اکرم ﷺ کسی پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے، اگر آپ کو کوئی چیز ناپسند ہوتی تو ان کے چہرے سے پہچان لی جاتی[۵]

فقہ و اصول فقہ کی کتب میں عرف کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں لیکن ان کے مفاہیم و مطالب قریب قریب ایک طرح کے ہی ہیں۔ امام جرجانی عرف کے بارے میں لکھتے ہیں: عرف اس چیز کا نام ہے جو عقل کی جہت سے نفس میں جاگزیں ہو جائے اور فطرت سلیمہ اسے قبول کر لے۔[۶] علامہ ابن عابدین شامی اپنے مشہور رسالے " نشر العرف " میں عرف کو اس طرح بیان کرتے ہیں: العادة مأخوذة من المعاودة، فهي بتكررها ومعاودتها مرة بعد أخري صارت معروفة، مستقرة في النفوس والعقول متلقاة بالقبول

من غير علاقة ولا قرينة، حتى صارت حقيقة عرفية. فالعادة والعرف بمعنى واحد(عادت یہ معاودۃ سے ماخوذ ہے پس یہ عادت بار بار مکرر ہونے کی وجہ سے معروف ہو جاتی ہے، نفوس میں جا گزیں ہو جاتی ہے اور عقول بغیر کسی تعلق و قرینہ کے اسے قبول کرتی ہیں یہاں تک کہ یہ حقیقت عرفیہ میں بدل جاتی ہے پس عرف و عادت ہم معنٰی ہیں۔[۷] عبد الکریم زیدان عرف کے بارے میں کہتے ہیں: " **هو ماألفه المجتمع واعتاده وسار عليه في حياته من قول او فعل**" عرف وہ قول اور فعل ہے جس سے معاشرہ متعلق ہو جائے اور اس کا عادی ہو جائے اور اس پر اپنی زندگیوں کو ڈھال لے۔[۸]

مصطفی احمد زرقا نے بھی قوم کے جمہور کے عمل کو خواہ وہ قولی ہو یا عملی، عرف سے تعبیر کیا ہے۔[۹]

عبد الوہاب خلاف سے بھی مذکورہ بالا تعریف ہی منقول ہے۔[۱۰]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی بھی عرف کی تعریف میں عوام کے قول و فعل کو شمار کرتے ہیں۔[۱۱]

عرف کی مندرجہ بالا تعریفات اس کی مختلف جہات کو بیان کرتی ہیں۔ عرف کی سب سے جامع تعریف جو کہ عرف صحیح کی شرائط کو بھی شامل ہے، سید صالح عوض نے بیان کی ہے، آپ لکھتے ہیں" **العرف :هو ما استقر في النفوس، واستحسنته العقول، وتلقته الطباع السليمة بالقبول، واستمر الناس عليه، مما لا ترده الشريعة وأقرتهم عليه** "عرف وہ ہے جو نفوس میں جا گزیں ہو جائے، عقلیں اسے اچھا جانیں، نیک طبیعتیں اسے قبول کریں اور لوگ اس پر دوام اختیار کریں اور یہ وہ ہو جسے شریعت نے رد نہ کیا ہو اور لوگوں کو اس پر باقی رکھا ہو۔[۱۲]

عرف کی حجیت کی بات کی جائے تو اکثر فقہاء نے عرف کی حجیت پر قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔" **خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين** "اے محمد ﷺ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔[۱۳]

" تنویر المقیاس" میں اس آیت میں موجود لفظ "عرف" کی تفسیر معروف و احسان سے کی گئی ہے۔[۱۴]

عرف کی حجیت میں اس آیت سے استدلال پکڑنے کو زیادہ تر فقہاء نے صحیح نہیں جانا چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس آیت کو بیان کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہیں کہ اس آیت میں جو لفظ عرف سے استدلال کیا گیا ہے تو اس کی بنا معنی لغوی پر ہے جو کہ (**الامر المستحسن المألوف** 'ایسا کام جو اچھا اور معروف و معتاد ہو') ہے نہ کہ معنی اصطلاحی فقہی پر، یہ معنی فقہی اگرچہ آیت سے مراد نہیں لیا جاسکتا مگر اس سے معنی اصطلاحی کی تائید ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔[۱۵]

عبدالکریم زیدان نے بھی اس آیت سے حجیت پکڑنے کو ضعیف قرار دیا ہے۔[۱۶] "**العرف و العادة في رأي الفقهاء**" کے مصنف نے بھی یہی موقف اختیار کرنے کے بعد اپنی بات کا اختتام ان الفاظ پر کیا: **فلا دلالة للآية على المطلوب**۔[۱۷] "المدخل الفقهي العام" میں بھی مصنف نے مذکورہ بالا رائے کو ہی اختیار کیا ہے مگر اس کی توجیہ بھی ساتھ ہی ذکر کر دی کہ معاملات میں لوگوں کا عرف وہ ہوتا ہے جسے وہ اچھا سمجھتے ہیں اور عقلیں اس کو قبول کرتی ہیں اور غالب بات یہی ہے کہ کسی قوم کا عرف ان کے کسی امر متعارف کی طرف حاجت پر دلالت کرتا ہے پس اس عرف کا اعتبار کرنا امور حسنہ سے ہی ہے۔[۱۸] مذکورہ بالا آیت کے علاوہ دوسری ایسی آیات موجود ہیں جن سے عرف کی حجیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے قوی دلیل جسے دور حاضر کے فقہاء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے وہ قرآن پاک کی یہ آیت ہے: "**وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَه رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**" اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔[۱۹] ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "**بِالْمَعْرُوفِ، أَيْ بِمَا جَرَتْ بِهِ عَادَةُ أَمْثَالِهِنَّ فِي بَلَدِهِنَّ مِنْ غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا إِقْتَارٍ، بِحَسَبِ قُدْرَتِهِ فِي يَسَارِهِ، وَتَوَسُّطِهِ وَإِقْتَارِهِ**" بالمعروف: یعنی بغیر کمی بیشی کے، اس عورت کی مثل عورتوں کی عادت کے موافق جو کہ اس کے شہر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مرد کی استطاعت اور وسعت کا بھی خیال رکھتے ہوئے۔[۲۰]

مجموعہ احادیث سے عرف کی حجیت پر قدیم فقہاء اس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ "**فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ**" پس جس عمل یا کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی مستحسن ہے اور جسے وہ برا گمان کریں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔[۲۱] اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے کے بارے میں کلام کیا گیا ہے اور تقریباً تمام فقہاء و اصولیین نے اسے موقوف قرار دیا ہے۔ امام سیوطی "**العادة محكمة**" کے قاعدے کے ضمن میں فرماتے ہیں: "اس قاعدے کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (**مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ**) علائی نے کہا ہے کہ کافی تلاش، کثرت کشف اور لوگوں سے سوالات کرنے کے باوجود مجھے احادیث کی کتب میں یہ حدیث سنداً مرفوع نہیں ملی۔ یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو کہ موقوف کے حکم میں ہے اور اسے احمد نے اپنی مسند میں درج کیا ہے"[۲۲]

مصطفیٰ زرقا البتہ مذکورہ بالا حدیث پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، اگرچہ یہ موقوف روایت ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ اس میں ذاتی رائے کا کوئی دخل نہیں۔[۲۳]

حجیت عرف پر جو حدیث قوی دلیل بنتی ہے وہ " ہند بن عتبہ " کی حدیث ہے جس میں انہوں نے اپنے

خاوند کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے خرچ نہ دینے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ** ''تم اس کے مال سے دستور کے مطابق، جو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو کفایت کرے، لے سکتی ہو۔ (۲۴)

حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو معروف یعنی عرف کے مطابق ابوسفیان کے مال سے خرچ لینے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے فوائد میں سے ایک فائدہ ان امور میں عرف پر اعتماد کرنا بھی ہے جن کے بارے میں شریعت نے کوئی حد بیان نہیں کی''۔(۲۵)

اجماعِ امت سے اگر عرف کی حجیت پر بات کی جائے تو تمام ابحاث کا خلاصہ شیخ مصطفیٰ زرقا کے الفاظ میں یوں ہے: **الاجتهادالفقهيه فی الاسلام متفقة علی هذا الاعتبار للعرف، و ان کان بينهما شيئ من التفاوت فی حدوده و مداه**(اسلام میں جو فقہی اجتہاد کیا گیا ہے اس کا اتفاق اس بات پر ہے کہ عرف کا اعتبار کیا جائے گا، اگرچہ اس کی حدود و قیود میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۲۶)

عرف کو حجتِ شرعی تسلیم کرتے ہوئے جہاں نصوص سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہیں اس ضمن میں بہت سے اقوالِ فقہاء بھی ملتے ہیں۔ امام سرخسی نے اصولِ سرخسی میں ایک پوری فصل (**فصل فِي بَيَان جملَة مَا تتْرك بِهِ الْحَقِيقَة**) کے نام سے قائم کی ہے اور پھر اس کے تحت پانچ انواع پر بحث کی ہے جس میں سب سے مقدم (**دلَالَة الِاسْتِعْمَال عرفا**) کو رکھا۔ اس کے تحت یہ قاعدہ بیان کیا ہے: ''**تتْرك الْحَقِيقَة بِدلَالَة الِاسْتِعْمَال عرفاً**'' ''حقیقت کو عرفاً استعمال کیے جانے والی چیز کے مقابلے میں ترک کر دیا جائے گا۔ (۲۷) امام سرخسی نے ہی '' المبسوط'' میں '' کتاب المناسک'' میں مسائل بیان کرتے ہوئے یہ قاعدہ بھی بیان کیا ہے کہ '' **التَّعْيِينُ بِالْعُرْفِ كَالتَّعْيِينِ بِالنَّصِّ** '' عرف کی وجہ سے متعین چیز پر عمل کرنا ایسے ہی لازم ہے جیسے نص کے ساتھ کسی متعین چیز پر عمل کرنا۔ (۲۸) علامہ شامی نے اپنے رسالے '' شرح عقود رسم المفتی '' میں ایک شعر کی صورت میں عرف کی حجیت میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ

والعرف فی الشرع له اعتبار ۔۔۔۔۔ لذا عليه الحکم قد يدار (۲۹)

عرف کی بحث کے بعد اگر فتویٰ نویسی پر بات کی جائے تو تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ یہ کام نبی اکرم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک مسلسل چلا آرہا ہے، اس لحاظ سے اگر فتاویٰ جات کو شمار کرنا مقصود ہو تو یہ ایک ایسا کام ہو گا جس کے لیے ایک طویل عرصہ اور جہد مسلسل درکار ہو گی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور سے ہی قولی فتاویٰ جات کے علاوہ تحریری فتاویٰ جات کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا تھا جیسا کہ مجموعہ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا

مقالہ ہذا میں صرف انہی کتب فتاویٰ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جو ذیل میں ہیں۔

انوار الفتاویٰ	(مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی)
تفہیم المسائل	(پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن)
فتاویٰ بحر العلوم	(مفتی عبد المنّان اعظمی)
فتاویٰ مفتی محمود	(مولانا مفتی محمود)
فتاویٰ بیّنات	(مجلس دعوت و تحقیق اسلامی)
فتاویٰ عثمانی	(مفتی محمد تقی عثمانی)
فتاویٰ اصحاب الحدیث	(ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد)
آپ کے مسائل اور ان کا حل	(ابوالحسن مبشر احمد ربّانی)
فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام	(حافظ زبیر علی زئی)

مقالہ ہذا میں فقہ المناکحات پر عرف کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ لفظ مناکحات کے عربی مادے (ن۔ک۔ح) کے جتنے بھی معانی لغت یا فنون کی کتابوں میں استعمال ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ تزویج کے معنیٰ میں زیادہ استعمال ہوتا ہے لہذا فقہ المناکحات کے تحت وہ سارے احکام آئیں گے جن کا تعلق کسی بھی طرح سے تزویج کے عمل سے ہے۔ ان احکام میں نکاح اور اس کے متعلقات کے احکام جیسے کفو، مہر، جہیز، نفقہ، حسن معاشرت، ولیمہ، شادی کی رسومات، طلاق اور اس سے متعلقہ احکام جیسے اقرار و ثبوت طلاق، وقوع طلاق، اضافت و تعلیق طلاق، طلاق کنایہ، وغیرہ شامل ہیں۔

بر صغیر پاک و ہند میں شادی بیاہ کے موقع پر دولہا و دلہن کو سامانِ جہیز کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے تحائف دینے کا رواج ہے۔ اگر خدانخواستہ ازدواجی معاملات میں بگاڑ کی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے تو ان کی ملکیت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ان تحائف و سامانِ جہیز کی ملکیت کس کے لیے ثابت ہو گی، اس سلسلے میں مفتیان کرام نے ''عرف'' کو معیار مقرر کیا ہے۔ اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بعض کتب فتاویٰ میں اس عنوان (جہیز و سامان کے مسائل) کے ساتھ پورا باب باندھا گیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف فتاویٰ جات ذیل میں ہیں۔

مفتی اسماعیل نورانی صاحب سے جب سامان جہیز کی ملکیت کے بارے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: شادی کے وقت جہیز میں جو سامان لڑکی والوں کی طرف سے دیا گیا وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہے۔۔۔ البتہ لڑکے والوں کی طرف سے جو تحائف دیے جاتے ہیں، ان کی ملکیت کا معاملہ عرف اور رواج پر موقوف ہے۔[۳۰]

مفتی منیب الرحمان صاحب سامانِ جہیز کے ایک مسئلہ کے بارے میں رقمطراز ہیں: یہ کسی علاقے،

کمیونٹی یا برادری میں معروف اور طے شدہ اصول ہو کہ بری کا سامان شوہر یا اس کے خاندان کی ملکیت ہوتا ہے تو عرف بھی " نص شارع " کی طرح ہوتا ہے اور اسی پر معاملات کا فیصلہ ہو گا اور عورت کے لیے محض تصرف و استعمال کی اجازت سمجھی جائے گی اور طلاق کی صورت میں وہ سامان شوہر کا ہو گا اور اس کی وفات کی صورت میں وہ اس کے ترکے میں شمار ہو گا۔(۳۱)

فتاویٰ مفتی محمود میں بھی طلاق یافتہ عورت کے شوہر سے جہیز، پارچہ جات کی واپسی کے مطالبے کا سوال موجود ہے جس کے جواب میں مفتی صاحب نے کہا کہ "حق المھر اور اسباب جہیز یہ لڑکی کی ملک ہوتے ہیں اس لیے اس کا واپس کرنا خاوند پر لازم ہے، البتہ جو زیورات و پارچہ جات لڑکی کو خاوند کے والدین نے دیے ہیں یہ عرف سے متعلق ہیں۔ اگر عرف یہ لڑکی کے ملک کرتے ہیں تو وہ لڑکی کے ملک ہوں گے اور ان کی واپسی کا مطالبہ درست ہو گا اور اگر خاوند کی ملک شمار ہوتے ہیں تو پھر ان کو واپس کرنا درست نہ ہو گا"۔(۳۲)

مذکورہ بالا فتاویٰ جات کے برعکس "فتاویٰ بحر العلوم" میں دولہن کو دولہا کی طرف سے دیے گئے تحائف کو مفتی صاحب نے وہاں کے رائج عرف کی وجہ سے عاریہ میں شمار کیا ہے چنانچہ سائل کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں " شوہر جو زیورات عورت کو پہننے کے لیے دیتا ہے، اس میں یہاں کا عرف یہی ہے کہ مالک نہیں بناتا ہے صرف عاریتاً دیتا ہے تو شرعاً اس کا بھی یہی حکم ہو گا کہ شوہر کی ملک ہے اور عورت کے مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری نہ ہو گی، وہ شوہر کا ہی رہے گا"۔(۳۳)

مفتی تقی عثمانی صاحب کا فتویٰ بھی مذکورہ بالا جواب کی تائید کرتا ہے، فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں عرف یہ ہے کہ وہ شوہر کی ہی ملکیت ہوتا ہے، لہٰذا اس عرف کے مطابق وہ شوہر کی ہی ملکیت ہو گا۔ البتہ جو جہیز لڑکی کو اس کے والدین نے دیا تھا، وہ لڑکی کی ملکیت ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ اسے واپس کر دے"۔(۳۴)

مندرجہ بالا فتاویٰ جات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مفتی منیب الرحمن صاحب نے موجودہ عرف میں اس سامان کو تملیکاً دینا بیان کیا ہے جبکہ مفتی عبد المنان صاحب و مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس سامان کو عاریتاً دینا شمار کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کچھ جگہوں پر یہ سامان عاریتاً دیا جاتا ہے جبکہ بعض مواطن میں بطور تملیک دیا جاتا ہے لہٰذا عرف کے بدلنے کی وجہ سے نفس مسئلہ بھی بدل گیا ہے جیسا کہ مذکورہ فتاویٰ جات سے واضح ہے۔

فقہ المناکحات میں "مسئلہ کفو" کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ کفو کے لغوی معنی جوڑ، ہمسر یا ہم پلہ کے ہیں۔ اصطلاح میں زوجین کا دِین، دیانت، مال، نسب، پیشہ اور تعلیم وغیرہ میں ہم پلہ ہونا کفو کہلاتا ہے۔ اس بارے میں مفتیان کرام نے واضح کیا ہے کہ عجم میں کفائت بالنسب کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ کفائت حرفت معتبر ہے۔ پھر یہ کہ کونسا پیشہ خسیس ہے اور کونسا شریف اس میں بھی عرف کو معیار بنایا جائے گا۔ مفتی عبد المنان

صاحب نے کفو کے معیارات کے بدلنے کے بارے میں کہا کہ "(قوموں اور برادریوں میں)افتخار واعزاز کی یہ صورتیں چونکہ بنیادی نہیں ہیں اس لیے ماحول اور حالات کی تبدیلی سے شرافت اور بزرگی کے پیمانے بھی بدلتے رہتے ہیں اس لیے شریعت میں اس کی بھی گنجائش لکھی گئی ہے کہ اگر کسی جگہ حالات میں اتنی تبدیلی آگئی کہ پست افراد بلند اور بزرگوں کے ہمسر یا ان سے بہتر ہو گئے تو اب وہ ان پرانے شرفاء کے کفو ہو گئے اور ان کے ساتھ لڑکی بیاہنے میں نہ کوئی شرعی قباحت ہے اور نہ عرفی"۔(۳۵)

کفائت کے ہی ایک سوال کے بارے میں مفتی محمود صاحب فرماتے ہیں کہ "مفتی بہ قول کے مطابق غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا اور کفاءت کا دار و مدار عار وعدم عار پر ہے۔ پس صورت مسئولہ میں فریقین کے عرف کے واقف علماء تحقیق کریں۔ اگر واقعی ان دونوں کے آپس میں رشتے نہیں کیے جاتے اور ایک دوسرے کی قوم میں رشتوں کو عار سمجھتے ہیں تو نکاح منعقد نہیں ہوا دوسری جگہ نکاح جائز ہے۔ بہر حال کفائت کی تحقیق لازم ہے کہ حکم اسی پر متفرع ہے"۔(۳۶)

انعقاد نکاح کے ارکان میں سے ایک رکن ایجاب و قبول بھی ہے چاہے یہ الفاظ صریح سے ہو یا ایسے الفاظ سے جن سے نیت کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہو۔اب اگر کوئی ایسا طریقہ اپنایا جائے جس کی صراحت کتب فقہ میں نہیں ملتی تو مفتیان کرام نے اس کی تعیین کے لیے عرف کو معیار بنایا ہے۔ مفتی محمود صاحب سے سوال کیا گیا کہ کیا "دے دی" کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا تو ان کا جواب تھا" مسئلہ ہذا میں عرف کا اعتبار ہے۔ جن مضافات میں منگنی اور نکاح میں عرفاً فرق کیا جاتا ہے اس میں حکم یہ ہے کہ متولی مذکور سے اس اقرار کے پوچھا جائے گا کہ وہ دے دی کے لفظ سے نکاح مراد لے رہا تھا یا وعدہ نکاح یعنی منگنی؟ اگر نکاح مراد لے رہا تھا تو چونکہ وہ متولی طرفین ہے تو اس کا اقرار صحیح ہو گا اور نکاح اول منعقد ہو گا اور اگر وہ وعدہ نکاح یعنی منگنی مراد لے تو نکاح اول صحیح نہیں۔ نکاح ثانی صحیح ہے اور جن مقامات میں منگنی کا طریقہ رائج نہ ہو وہاں بہر حال نکاح اول صحیح ہو گا۔اور نکاح ثانی ناجائز"۔(۳۷)

فقہ المناکحات کے باب میں طلاق ایک اہم فصل ہے۔الفاظ صریح کے ساتھ دی گئی طلاق کے انعقاد میں کسی کا اختلاف نہیں۔الفاظ کنایہ کے ساتھ دی گئی طلاق کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور سبب اختلاف یہ ہے کہ آیا ان الفاظ سے طلاق مراد لی جائے یا نہیں؟ کچھ الفاظ کنایہ ایسے ہیں جن کو فقہاء نے تعامل کی وجہ سے صریح کے قائم مقام کر دیا ہے۔ وہ الفاظ کہ جن کے معنی کے تعین میں اختلاف ہے تو مفتیان کرام نے ان کی تعیین میں "عرف" کو معیار بنایا ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب سے دریافت کیا گیا کہ زید نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے " چھوڑا، چھوڑا، چھوڑا" کیا ان الفاظ سے طلاق ہو گئی؟ مفتی صاحب جواب میں کہتے ہیں کہ "سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ طلاق کے ماحول کے پیش نظر "چھوڑا" کی اضافت زوجہ ہی کی طرف تھی اور "چھوڑا" ہمارے

عرف میں طلاق صریح ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہو گئی،اب حلالہ کے بغیر ہر گز حلال نہیں ہو سکتی''۔(۳۸)مفتی محمود صاحب سے بھی جب ان الفاظ'' میں تمہیں چھوڑ چکا'' کے بارے میں طلاق کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے علماء کی تصریحات کے مطابق جواب دیا کہ اکثر علماء لفظ چھوڑ کو عرفاً حکم صریح طلاق میں شمار کرتے ہیں اور بغیر مذاکرہ طلاق کے بھی طلاق رجعی کے وقوع کا حکم کرتے ہیں۔(۳۹)مفتی عبد المنان صاحب سے ''تم کو جواب دیتا ہوں'' کے الفاظ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان سے کونسی طلاق واقع ہو گی تو جواب دیا'' فتاویٰ رضویہ میں جواب کے لفظ کو طلاق کنائی کے الفاظ میں شمار کیا گیا ہے اس سے صرف ایک طلاق بائن پڑے گی اور بقیہ دو بے کار جائیں گی'' لان البائن لا یلحق البائن'' اور حلالہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔ پھر اس کے بعد ایک دوسرے علاقے میں عرف کے مختلف ہونے کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ ''بہار کے ایک مولانا فرماتے ہیں کہ ہمارے بہار میں یہ لفظ صریح طلاق ہی کے لیے بولا جاتا ہے اور یہی وہاں کا عرف ہے اور اگر ان کا فرمانا درست ہے تو صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں اور عورت بغیر حلالہ زید کے لیے حلال نہیں''۔(۴۰)اسی طرح جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ اگر عورت کو اصل نام کی بجائے عرفی نام سے طلاق دی جائے تو کیا یہ واقع ہو جائے گی؟ مفتی صاحب نے جواب دیا'' اگر عرف عام میں اس عرفی نام سے وہی عورت سمجھی جاتی ہو تو طلاق ضرور پڑ گئی کہ مقصد اس عورت کا متعین ہونا ہے اور جب عام لوگ اس کو اسی نام سے جانتے ہیں تو اس کے ذکر سے طلاق پڑنے میں کوئی شبہ نہیں۔''(۴۱)

بیوی کے نان و نفقہ کے بارے میں کتب حنفیہ میں لکھا ہے کہ '' بیوی کا نان و نفقہ و کسوہ وغیرہ شوہر کے ذمے واجب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اگر زوجہ بیمار ہو جائے تو اس کے علاج معالجے کا خرچ شرعاً شوہر پر واجب نہیں بلکہ اپنے مال سے کرے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب سے جب یہ دریافت کیا گیا تو مفتی صاحب نے اس مسئلے کے جواب میں آیت نفقہ سے استدلال کیا اور اس میں موجود لفظ معروف سے یہ حکم لگایا ہے کہ عرف کے بدلنے کی وجہ سے یہ حکم بدلنا چاہیے چنانچہ کہتے ہیں:

> ''احقر کو کچھ یہ خیال ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں نفقہ کے ساتھ ''بالمعروف'' کی قید لگائی ہے، جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا تعین عرف پر مبنی ہے، پچھلے دور میں چونکہ علاج کا خرچہ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہوتا تھا اس لیے شاید عرف یہ تھا کہ وہ نفقہ میں شامل نہیں، اگر یہ بات درست ہے تو عرف کی تبدیلی کی وجہ سے حکم بدل جانا چاہیے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دور میں عرفاً علاج، نفقہ کا حصہ ہے۔ یوں بھی عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر شوہر پر علاج کا خرچہ واجب نہیں تو عورت بیماری کی صورت میں کیا کرے؟ جبکہ موجودہ دور میں علاج کا خرچہ اتنا ہوتا ہے کہ ایک ایسی بیوی جس کا کوئی ذریعہ روزگار نہ ہو، اس کا تحمل نہیں کر سکتی۔''(۴۲)

خلاصۂ بحث

کسی بھی مہذب معاشرے میں قانون کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ قانون کا ماخذ یا تو فرد،افراد کا ایسا مجموعہ ہوتا ہے جو کسی فعل کا جائز یا ناجائز قرار دینے کی اہلیت رکھتا ہو یا پھر یہ عامۃالناس کے افعال واعمال سے اخذ کیا جاتا ہے۔ عامۃالناس کا ایسا تعامل عرف کہلاتا ہے جو کہ بعض تفصیلات اور شرائط وضوابط کے فرق کے ساتھ تقریباً تمام مجموعہ قوانین کا حصہ ہے۔ فقہ اسلامی میں بھی اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے ۔آپ ﷺ نے عرب معاشرے کے ان رسوم ورواج کو جاری رکھا جو اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ تھے۔ دور صحابہ وتابعین میں بھی اس کی امثلہ موجود ہیں کہ امام مالک نے تعامل اہل مدینہ کو ماخذ شریعہ میں شمار کیا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ جن کو اہل رائے کا سر خیل کہا جاتا ہے،ان کے اس لقب کی وجہ میں عرف کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ کوفہ وعراق کے حالات مکہ اور مدینہ سے یکسر مختلف تھے،اسی بنا پر آپ نے رائے اور قیاس سے احکام کا استنباط کیا اور ظاہر ہے کہ حالات کے مختلف ہونے میں عرف وعادت کا خاص اثر ہوتا ہے۔ امام اعظمؒ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا اختلاف اپنے استاد سے بہت سے احکام میں عرف کے اختلاف کی وجہ سے بھی ہوا ہے جس کی امثلہ کتب فقہ میں موجود ہیں۔ اسی طرح امام شافعیؒ بھی جب مصر گئے اور وہاں آپ نے لوگوں کے عرف وعادت کو مختلف پایا تو بہت سے احکامات کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کر لی کیونکہ عراق اور حجاز کا عرف وہاں سے مختلف تھا۔ برصغیر میں بھی عصر حاضر کے مفتیان کرام نے امام اعظم اور دیگر فقہاء کے اقوال کے مطابق فتاویٰ صادر کیے ہیں (کیونکہ اکثریت احناف کی ہے) اور عرف وعادت کو ثانوی ماخذ تسلیم کرتے ہوئے اس پر احکام کی بنا کی ہے جس کا بین ثبوت ان کے مدون فتاویٰ جات کی صورت میں موجود ہے۔

حوالہ جات

1. ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۹:۲۳۹
2. الأصفهاني، الحسين بن محمد بن المفضل، المفردات في غريب القرآن، دار القلم، دمشق، ۱:۵۶۰
3. البقرۃ ۲:۱۴۶
4. البقرۃ ۲:۲۳۳
5. بخاری، محمد بن إسماعيل، الجامع الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي، رقم الحديث ۳۵۶۲
6. الجرجاني، علي بن محمد بن علي، كتاب التعريفات، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، ۱:۱۴۹
7. ابن عابدین، محمد امین افندی، مجموعہ رسائل ابن عابدین، دار احیاء التراث العربی، ۲:۱۱۴
8. الزیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مؤسسہ قرطبہ، المملکہ السعودیہ العربیہ، ۲۵۲
9. الزرقا، مصطفی احمد، المدخل الفقهي العام، دار القلم، دمشق، ۱۴۱

10. خلاف، عبدالوھاب، علم اصول الفقہ، مکتبہ الدعوہ الاسلامیہ، شباب الازھر، ۸۹

11. الزحیلی، وھبہ، اصول الفقہ الاسلامی، دار الفکر، دمشق، ۸۲۸

12. السید صالح عوض، أثر العرف فی التشریع الِاسلامی، دار الکتاب الجامعی، القاھرۃ، ۵۲

13. (الأعراف۷:۱۹۹)

14. تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، جمعہ: الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، ۱۴۴

15. الزحیلی، وھبہ، اصول الفقہ الاسلامی، ۸۳۰

16. الزیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ۲۵۴

17. احمد فھمی، ابوسنہ، العرف والعادۃ في رأي الفقھاء، مطبعۃ الاظھر، ۲۵

18. الزرقا، مصطفی احمد، المدخل الفقھی العام، ۱۴۳

19. (البقرۃ: ۲:۲۳۳)

20. ابن کثیر، إسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۴۷۹:۱

21. ابن حنبل، أحمد بن محمد، مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود، رقم الحدیث ۳۶۰۰

22. السیوطي، عبدالرحمن بن أبي بکر، الأشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۸۹

23. أحمد بن الشیخ، الزرقا، شرح القواعد الفقھیۃ، دار القلم، دمشق، ۲۱۹:۱

24. مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب قضیۃ ھند، رقم الحدیث ۱۷۱۴

25. النووي، یحیی بن شرف، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، ۱۲:۸

26. الزرقا، مصطفی احمد، المدخل الفقھی العام، ۱۴۴

27. السرخسي، محمد بن أحمد، أصول السرخسي، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۰:۱

28. ایضاً، ۴:۱۵۲

29. ابن عابدین، مجموعہ رسائل ابن عابدین، ۱:۴۴

30. نورانی، محمد اسماعیل، مفتی، انوار الفتاوی، فرید بک سٹال، لاہور، ۴۱۴

31. منیب الرحمن، مفتی، پروفیسر، تفہیم المسائل، ضیاالقرآن پبلی کیشنز، لاہور ۲:۲۵۳

32. مفتی محمود، فتاویٰ مفتی محمود، جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور، ۷:۴۲۲

33. اعظمی، عبدالمنان، مفتی، فتاویٰ بحر العلوم، شبیر برادرز، لاہور، ۲:۴۸۵

34. تقی عثمانی، مفتی، فتاویٰ عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲:۲۹۷

35. اعظمی، عبدالمنان، مفتی، فتاویٰ بحر العلوم، ۲:۴۵۹

36. مفتی محمود، فتاویٰ مفتی محمود، ۵:۳۰۵

37. ایضاً، ۴:۲۳۴

38. تقی عثمانی، مفتی، فتاویٰ عثمانی، ۲: ۳۴۴

39. مفتی محمود، فتاویٰ مفتی محمود، ۶: ۳۲۲

40. اعظمی، عبدالمنان، مفتی، فتاویٰ بحرالعلوم، ۳: ۱۶۰

41. ایضاً، ۳: ۲۹۰

42. تقی عثمانی، مفتی، فتاویٰ عثمانی، ۲: ۴۹۱